© rasailojaraid.com

التقریظ والانتقاد

مختصر سیرت قرآنیہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم[1]

از

(سعید احمد)

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے ؟ فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا ام المومنین کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید تو وہ ہے جو مابین الدفتین مکتوب و محفوظ ہے لیکن اگر کسی کو قرآن کا عملی پیکر اور اس کی ایک زندہ متحرک تصویر دیکھنی ہو تو آنحضرت کو دیکھے اسی بنا پر بعض علماء نے کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا خاکہ قرآن مجید کے موئے قلم سے تیار کریں۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے لیکن اس کے مرتب پروفیسر محمد اجمل خاں صاحب نے اس میدان میں سب سے ہی الگ ایک نئی راہ نکالی ہے یعنی ایک تو یہ کہ آپ نے قرآن مجید کا مطالعہ اس کے ترتیب نزولی کی روشنی میں کیا ہے اور دوسرے یہ کہ اگرچہ عنوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے لیکن درحقیقت آپ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی آڑ لے کے اسلام کی اصل حقیقت کو اپنی فہم و فکر کے مطابق بیان کر جائیں۔ کتاب ایک مقدمہ اور دس فصلوں پر مشتمل ہے مقدمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ واقعات زندگی تاریخی ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق زمانہ قبل بعثت سے ہے اس کے بعد دس فصلوں میں بعثت سے وفات تک کے واقعات کا اسی تاریخی ترتیب سے بیان ہے لائق مولف کا جذبہ۔ محنت اور ذوق تحقیق لائق داد ہے جس کے باعث وہ ایک

---

[1] از جناب محمد اجمل خاں صاحب ایم۔ اے تقطیع متوسط کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۲۷۱ صفحات قیمت قسم اول پانچ ... ملنے کا پتہ:- (۱) مکتبہ برہان اردو بازار دہلی (۲) ... اردو بازار لاہور (پاکستان)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرصہ سے قرآن مجید کا مطالعہ ایک مخصوص زاویۂ نگاہ کے ساتھ بڑے انہماک سے کر رہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ وہ اس مطالعہ کے بعد جن نتائج تک پہنچے ہیں ان میں سے اکثر ہمارے نزدیک غلط اور سخت گمراہ کن ہیں اس سلسلہ میں پہلی بات جو بنیادی طور پر یاد رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ جس طرح ہر علم و فن کے چند اصولِ موضوعہ ہوتے ہیں جن پر اس علم و فن کے تمام کلیات و جزئیات اور اصول و فروع کی بنیاد قایم ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح ہر مذہب کے بھی چند اصولِ موضوعہ ہوتے ہیں جو اس کے تمام احکام و مسائل کے لئے اساس کا کام دیتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اصول موضوعہ اپنی صحت کے لئے کسی عقلی استدلال و منطقی ثبوت کے محتاج نہیں ہوتے مثلاً عربی نحو میں یہ مسلم ہے کہ ہر فاعل مرفوع ہوگا اور ہر مفعول منصوب تو اب اس کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بس یہی حال اسلام کے اصولِ موضوعہ کا ہے جن کا ماننا ہر شخص کے لئے خواہ موافق ہو یا مخالف بہر حال ضروری ہے ایک شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اصولِ موضوعہ میں سے کسی اصل کی معقولیت کو بھی تسلیم نہ کرے یہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ بغیر اس اصل کو مانے نہیں سمجھا جا سکتا اسلام کے اصولِ موضوعہ کیا ہیں؟ چند عقائد اور چند مخصوص عبادات جناب محمد اجمل خاں صاحب کی سب سے بڑی فروگذاشت یہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں اسلامی عبادات کی کوئی اہمیت ہی نہیں دکھائی ہے۔ نماز کی حقیقت ان کے نزدیک تقریباً وہ ہی ہے جو عیسائیوں کے ہاں پریر (Prayer) کی ہے یعنی ایک جگہ جمع ہو جانا اور کچھ دعا مانگ لینا۔ چنانچہ لکھتے ہیں قرآن نے بتایا ہے کہ اسلامی نماز یا دعا یا اللہ سے مدد مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ (الف) سوائے اللہ کے کسی کو قادر نہ سمجھو۔ اس لئے اسی سے مدد مانگو ـــــ الخ (ص ۱۶۷)

اسی طرح فرضیت صیام کا بھی تذکرہ کیا لیکن اس طرح کہ گویا روزے ہنگامی حالات کے پیش نظر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اب وہ ہنگامی حالات نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں تو روزہ رکھنا ضروری بھی نہیں ہوگا۔ لکھتے ہیں

"روزہ کا مقصد ہی جہاد تھا یعنی جس طرح سراپا بھیج کر مشق کرائی جاتی تھی اسی طرح بھوکے رہ کر مشقت اور انفاق کی عادت ڈالی جاتی تھی منشا یہ تھا کہ لوگ کم کھائیں اور جن سے ہوسکے وہ اپنے غریب ساتھی کو کھلائیں۔ مسلمانوں پر بعد ہجرت بہت ہی سخت زمانہ تھا۔ اور اس کے سوا چارہ نہ تھا۔" (ص ۹۴)

پوری کتاب پڑھنے کے بعد یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ جس طرح ہندو مذہب اور عیسائیت میں نیکی اور بدی کے متعلق چند مبہم اور گول گول سی باتیں ہیں یعنی یہ کہ خدا پرستی کرو۔ اور کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ خاں صاحب اسلام کو بھی کھینچ تان کر اسی سطح پر لے آئے ہیں۔ حالانکہ اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی اور بہر جہت کامل ایک دستورِ حیات ہے چنانچہ اسی جذبہ کے ماتحت انھوں نے سورۃ الفاتحہ میں نعبد کے معنی میں بھی ایسا تصرف کیا ہے جو عربی کے قواعد کے لحاظ سے بالکل نادرست ہے موصوف کے نزدیک نعبد کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے

"ہم سب مانتے ہیں کہ سوائے تیرے ہمارا کوئی آقا نہیں اس لئے ہم تیری بندگی کا اعلان کرتے ہیں اور ہم سب صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں (کسی دوسرے دیوتا وغیرہ سے مدد نہیں مانگتے اس لئے کہ وہ خود مخلوق و لاچار ہیں)"

سوال یہ ہے کہ عبادت کے معنی بندگی کا اعلان کرنا کون سی لغت میں لکھے ہوئے ہیں۔ شاہراہِ عام سے ہٹ کر اگر کوئی بات کہی جائے تو ضروری ہے کہ اس کے لئے دلائل و شواہد فراہم کئے جائیں مگر افسوس ہے کہ خاں صاحب نے ترجمہ میں جگہ جگہ عجیب جدتیں کی ہیں مگر حوالہ کہیں پر بھی نہیں دیا۔ مثلاً اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

"اے نبی اس آقا کے نام سے وعظ و نصیحت (یا حمد) شروع کر جس نے خلق کیا ہے اس لئے کہ جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کائنات) انسان کو انس (علق) و محبت کا پتلا بنایا ہے۔ اے محمد تو یہ اعلان کر دے کہ تیرا آقا نہایت ہی کریم ہے... اس آقا کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے انسان کو علم حاصل کرنے کا آلہ قلم (یعنی عقل) عطا فرمایا اور اس کے ذریعہ سے علم دیا۔ اب غور کیجئے قرآن کی صرف دو سطروں کا ترجمہ ہے لیکن کس قدر غور طلب ہے!

(الف) لائق مؤلف نے اقرء کے معنی ایک جگہ وعظ و نصیحت شروع کرنا بیان کئے ہیں اور دوسری جگہ اس کے معنی اعلان کرنا بتاتے ہیں۔ حالانکہ قراءت عربی زبان کا کوئی غریب لفظ نہیں ہے جس میں زیادہ کنج وکاؤ کی ضرورت ہو ہر شخص جانتا ہے اس کے معنی پڑھنا ہیں۔ اقرء امر کا صیغہ ہے تو اس کے معنی "پڑھ" ہوئے جناب خاں صاحب کو اس کا بھی دھیان نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرء کے جواب میں "لست بقارئ" فرمایا تھا۔ اب اگر خاں صاحب کے بیان کردہ معنی ہی مراد لئے جائیں۔ تو ایک جگہ اس کا ترجمہ ہوگا "میں وعظ و نصیحت یا حمد شروع کرنے والا نہیں ہوں۔ اور دوسری جگہ اس کا ترجمہ ہوگا کہ میں اعلان کرنے والا نہیں ہوں" خاں صاحب بتائیں کہ آنحضرت کا اپنے متعلق مذکورہ بالا دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو فرمانا بھی صحیح ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ آپ وعظ و نصیحت اور حمد کرنے والے بھی تھے اور احکام خداوندی کا اعلان کرنے والے بھی

(ب) خاں صاحب "رب" کے معنی آقا کرتے ہیں اور آقا بھی وہ جو ہر زمانہ میں خود غرض اور ظالم ہوتے رہے ہیں (ص ۳۷) لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگرچہ لغوی اعتبار سے رب کے معنی آقا یا مالک کے آتے ہیں جیسا کہ خود قرآن میں ہے "ھو رب کل شئ" یا حدیث اشراط الساعۃ میں ہے "وان تلد الامۃ ربتھا" لیکن علمائے لغت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کبھی رب کا لفظ مطلق ہوگا تو اس سے خدا ہی مراد ہوگا۔ اور اس وقت اس سے مراد "پروردگار" کے معنی ہوں گے۔ اگرچہ جو پروردگار ہوگا وہ مالک یا آقا ضرور ہوگا۔ اور اگر رب کا اطلاق غیر اللہ پر ہو تو وہ لازمی طور پر مضاف ہو کر مستعمل ہوگا اور اس وقت مضاف الیہ کے قرینہ سے اس کے معنی مالک یا آقا کے ہو سکتے ہیں مثلاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربا　　فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص

یا مثلاً رب الدار - رب السجن - ربات الاحجال - ربات الخدور وغیرہ
چونکہ رب کا لفظ جب خدا کے لئے بولا جاتا ہے اس وقت اس کے معنی پروردگار کے بھی ہوتے ہیں اسی بنا پر ایک حدیث میں جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت کی ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا کو رب کہہ کر پکارے ظاہر ہے کہ اگر خدا پر رب کا اطلاق بمعنی مالک یا آقا ہی ہوتا تو ممانعت کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ مالک یا آقا کا لفظ تو خدا اور وہ شخص دونوں پر بولا جا سکتا ہے۔

(ج) سب سے زیادہ غضب وربک الاکرم الآیۃ کے ترجمہ میں کیا گیا ہے خاں صاحب نے اِقرء کے معنے "اعلان کرنا" لئے اور وربک الاکرم کو اس کا مفعول واقع کیا۔ حالانکہ وربک میں واو حالیہ ہے اور یہ پورا جملہ اقرء میں جو ضمیر خطاب مستتر ہے اس سے حال ہے۔

(د) اسی طرح علق کے معنی انس ومحبت کے مراد لئے ہیں حالانکہ خلق اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ یہاں علق سے مراد دم جامد ہے علاوہ بریں قرآن مجید میں کئی ایک مواقع پر آیا ہے "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً" تو کیا یہاں بھی علقۃ کے معنی انس ومحبت ہی کے لئے جائیں گے پھر لائق مؤلف کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ علق کے معنی اگرچہ محبت کے آتے ہیں لیکن وہ محبت جس کی بنیاد صنفی میلان پر ہو اور جس کو عربی میں ھوی کہتے ہیں۔ لسان العرب میں لحیانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ العلق الھوی یکون للرجل فی المرأۃ۔ چنانچہ کثیر عزہ کا شعر ہے

ولقد اردت الصبر عنک فعاقنی　　علق بقلبی من ھواک قدیم

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com